حیات کا تصور
(اسلام اور سائنس کے تناظر میں)

گلناز نعیم *

Abstract:

The most challenging question for the biologist today is, what is life? After the continuous struggle for several years the answer is still unsatisfactory. The experts defined life in different ways on the basis of different characteristics of living organisms. Thats why what we find today are more than hundred definitions of life and among them some contradict others. Despite all the efforts of biologist there is not a single definition of life that is generally acceptable for all living organisms. The reason is quite simple life is much more complicated than our thoughts. For the same question when we turn towards the teachings of Islam, the Holy Quran and the Sayings of Prophet Muhammad (Peace and blessings of Allah be upon him) we find another world of mystery. This article compares the scientific concept of life with the Islamic concept and reflects the importance of life for human beings.

تعارف

ہمارے گرد و پیش بے شمار اشیا موجود ہیں۔ان اشیا کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی وہ جن میں زندگی یا حیات موجود ہے اور وہ جن میں زندگی نہیں ہے۔لیکن یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے کہ حیات کیا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جو سالہا سال کی تحقیق و جستجو کے باوجود جواب کا منتظر ہے۔یہی سوال اگر انسانی حیات سے متعلق ہو تو اس لحاظ سے بھی اہم ہو جاتا ہے کہ انسان کو حیات کیسے اور کہاں سے ملی؟ کیا اس حیات کے کچھ مخصوص تقاضے بھی ہیں یا محض زندگی کے دن پورے کر کے موت کے منہ میں چلے جانا ہی اس کا تمام تر مقصد ہے۔اس لیے یہاں اسلامی تعلیمات اور سائنسی تحقیقات کی روشنی میں حیات کی اصل جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

حیات کا سائنسی نقطہ نظر

جاندار اجسام میں اس قدر تنوع پایا جاتا ہے کہ ماہرین حیاتیات تا حال یہ بیان نہیں کر سکے ہیں کہ حیات کیا ہے اس کے برعکس ان اجسام میں پائی جانے والی مختلف خصوصیات کی بنیاد پر حیات کی تعریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، بینظیر بھٹو شہید یونیورسٹی لیاری، کراچی　　برقی پتا: salamte@hotmail.com
تاریخ موصولہ: ۲/۲/۲۰۱۳

مختلف ماہرین حیاتیات زندگی کی تعریف مختلف انداز میں کرتے ہیں۔اب تک حیات کی سو(100) سے زیادہ تعریفات پیش کی جا چکی ہیں۔جن میں سے اکثر ایک دوسرے سے متصادم نظریات کی حامل ہیں(۱)۔ علم حیاتیات (Biology) جس کا مقصد ہی حیات کا مطالعہ کرنا ہے، اپنی تمام تر کوشش کے باوجود آج بھی اس بنیادی سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے؟اور ماہرین حیاتیات اب تک حیات کی کوئی ایک ایسی تعریف نہیں پیش کر سکے ہیں جو عمومی طور پر تسلیم شدہ ہو(۲)۔ اس لیے وہ زندگی کو جاندار اجسام کی مختلف خصوصیات کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں۔حیات کی کچھ تعریفیں مندرجہ ذیل ہیں۔

حیات جاندار اجسام کی خصوصیات کے اعتبار سے: حیات کی چار اہم خصوصیات ہیں۔ان میں نمو، تولید، حساسیت اور تحول شامل ہیں۔یہ خصوصیات ذی حیات کو غیر ذی حیات سے نمایاں کرتی ہیں(۳)۔کسی بھی جسم میں ان تمام صلاحیتوں کی موجودگی کے باعث اسے ذی حیات اور عدم موجودگی کی صورت میں بے جان تصور کیا جاتا ہے۔لیکن یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔مثلاً ایک بالغ انسان جسامت میں نہیں بڑھتا اور نہ ہی عمل تولید انفرادی طور پر ممکن ہے۔اس کے باوجود انہیں ذی حیات قرار دیا جاتا ہے۔کیونکہ پہلی صورت میں جسامت میں اضافہ کچھ عرصہ تک ہوتا رہا تھا اور دوسری صورت میں جاندار میں انفرادی طور پر اگرچہ تولید کا عمل ممکن نہیں لیکن یہ صلاحیت موجود ہے۔اسی طرح ایک بیج (بے جان جسم کی مانند) کبھی حرکت نہیں کرتا نہ ہی وہ احساس کا حامل یا کوئی تاثر پیش کرتا نظر آتا ہے۔لیکن جیسے ہی اسے سازگار حالات فراہم کردیئے جائیں تو بیج فوراً اُگنا شروع ہوجائے گا۔دوسری طرف crystals جو بے جان ہیں۔لیکن ان میں افزائش کا عمل ہوتا ہے اور وہ نئے crystals بھی بنالیتے ہیں(۴)۔اسی طرح کئی بے جان کیمیائی نظام افزائش کے حامل ہوسکتے ہیں جیسے کہ سوڈیم کلوریٹ ($NaClO_3$) کے crystals۔(۵)

فعلیاتی (Physiological) تعریف: حیات بہت سے افعال سرانجام دینے کی صلاحیت کا حامل ایک نظام ہے۔ ان افعال میں کھانا پینا، اخراج کرنا، سانس لینا، حرکت کرنا، بڑھنا، افزائش نسل کرنا، بیرونی محرکات پر ردعمل ظاہر کرنا، اور تحول شامل ہیں(۶)۔

کئی سالوں تک حیات کی فعلیاتی تعریف کافی مشہور رہی۔پھر اسے اس لیے رد کردیا گیا کہ ان میں سے بہت سے افعال مشینیں بھی انجام دیتی ہیں، جو بے جان ہیں۔جب کہ کچھ افعال ایسے بھی ہیں جو بعض ذی حیات اجسام میں موجود نہیں ہیں جبکہ جراثیم جو ذی حیات شمار کئے جاتے ہیں، سانس نہیں لے سکتے(۷)۔

تحولی (Metabolic) تعریف: ایسا جاندار نظام جس میں ایک جسم جس کی حدود متعین ہوں، اپنے اجزاء کو اپنے ماحول سے مستقل بنیادوں پر اس طرح تبدیل کررہا ہو کہ کم از کم ایک خاص عرصہ تک اس کی عمومی خصوصیات میں کوئی تبدیلی نہ ہورہی ہو(۸)۔تحول کے اعتبار سے حیات کی یہ تعریف کسی بیج کے معاملہ میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔کیونکہ بیج کئی برس تک کم درجہ حرارت میں بغیر کسی تحولی سرگرمی کے خوابیدہ حالت میں رہتے ہیں۔پھر اتنا عرصہ اس حالت میں گزارنے کے

باوجود دوبارہ سرگرم ہوجاتے ہیں۔(۹)

حیاتی کیمیائی (Biochemical) تعریف: ایسا نظام جو نیوکلیائی ترشہ کے سالمات میں کوڈ شدہ اپنی مثل تیار کرنے والی موروثی معلومات پر مشتمل ہواور کیمیائی تعامل کی شرح کو کنٹرول کرتے ہوئے تحول کے عمل سے گزرتا ہے۔ اس تعامل میں کیمیاتی عمل انگیز استعمال ہوتے ہیں۔جنہیں خامرے (enzymes) کہا جاتا ہے(۱۰)۔حیات کی یہ تعریف فعلیاتی اور تحولی بنیادوں پر کی گئی تعریف سے زیادہ تسلی بخش ہے لیکن پھر بھی یہ تمام ذی حیات اجسام کے لیے کافی نہیں ہے۔کیونکہ وائرس کی طرح کا ایک ایجنٹ جو scrapie کہلاتا ہے۔اس میں نیوکلیائی ترشہ پایا ہی نہیں جاتا۔یہ مفروضہ پیش کیا جاچکا ہے کہ scrapie کی افزائش نسل میں میزبان جانور کا نیوکلیائی ترشہ شامل نہیں ہوتا(۱۱)۔

حیات کی جینیاتی تعریف: ایک ایسا نظام جو فطری انتخاب (Natural Selection) کے ذریعے ارتقائی عمل کا حامل ہو(۱۲)۔

حیات کی مختصر ترین تعریف: حیات کی تقریباً سو سے زیادہ تعریفوں میں بہت زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔اس سلسلے میں Edward N. Trifonov نے حیات کی سو سے زیادہ تعریفوں کا لسانیاتی نقطۂ نظر سے موازنہ کیا اور کافی محنت کی کہ ایک ایسی تعریف پیش کی جائے جو انتہائی مختصر اور جامع ہو، جسے زیادہ سے زیادہ ذی حیات مخلوق کے لیے استعمال کیا جاسکے۔اس کوشش کے نتیجے میں انہوں نے حیات کی یہ مختصر ترین تعریف پیش کی کہ حیات تغیرات کے ساتھ ازخود پیدائش کا نام ہے(۱۳)۔لیکن اس انتہائی جدید اور مختصر ترین تعریف کے بارے میں Fabriozio Macagno کا کہنا ہے کہ یہ نہایت منطقی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ناکام ہے(۱۴)۔

حیات کی تعریف بیان کرنے میں مشکلات

عموماً جاندار اور بے جان اجسام کو ان کی خصوصیات کے اعتبار سے باآسانی شناخت کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کی تعریف بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہوگیا ہے۔حیات کو بیان کرنا اتنا پیچیدہ اور دشوار طلب امر کیوں ہے؟ اس حوالے سے ماہرین حیاتیات مختلف وجوہ پیش کرتے ہیں جیسے یہ کہنا کہ انسان کی معلومات میں جتنا اضافہ ہوتا جارہا ہے،حیات کو بیان کرنا اتنا ہی دشوار ہوتا جارہا ہے۔وجہ یہ کہ جاندار اور بے جان اجسام کی درست طور پر حد بندی نہیں کی جاسکی۔ یہاں بے جان سے جاندار کے درمیان آہستہ آہستہ اور مسلسل تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔اس سلسلے کی درمیانی حالت وائرس (virus) کی صورت میں موجود ہے۔جو پیچیدہ سالمات کے طور پر سامنے آتے ہیں (۱۵)۔اس طرح ایک رائے یہ پیش کی جاتی ہے کہ حیات کی ایسی تعریف بیان کرنا کہ کسی بھی چیز کو دیکھ کر یہ جان لینا کہ وہ ذی حیات ہے یا نہیں، بہت مشکل کام ہے۔مثال کے طور پر موسم سرما میں اس دوران جب درختوں کی ٹہنیاں پتوں سے عاری ہوتی ہیں۔کوئی بھی شخص ان پر ایک نظر ڈال کر یہ نہیں بتا سکتا کہ ان میں سے کون سی زندہ ہیں جو موسم بہار آنے پر پتوں سے آراستہ ہوجائیں گی اور کون بے جان ہیں۔اسی طرح جاندار اور بے جان بیچ میں امتیاز کرنا بھی آسان نہیں ہے۔نہ ہی کسی انسان کی بے ہوشی اور موت کو باآسانی شناخت کیا جاسکتا ہے(۱۶)۔

حیات کی ایسی تعریف جو نوعی اختلاف کی بناء پر کی گئی ہو وہ اس وقت مؤثر نہیں رہتی جب سیاروں یا خلاء میں موجود جاندار اور بے جان اشیاء کے مابین امتیاز واضح کرنا ہو(۱۷)۔ پھر جب حیات کی بیشتر تعریفیں بیان کرنے کے بعد بھی یہ معمہ پوری طرح حل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تو کبھی اسے ایک قدرتی (intrinsic) خاصیت (۱۸) سمجھا جانے لگتا ہے اور کبھی حیات کو روح (soul) قرار دے دیا جاتا ہے (۱۹)۔ ایک دلچسپ صورتحال تب پیدا ہوجاتی ہے جب سائنسی حلقے کی طرف سے بیان سامنے آتا ہے کہ اس سوال کو سائنسی تصور کرنا ہی بہت مشکل ہے کہ حیات کیا ہے؟ (۲۰) اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ پھر آپ حیات کو بیان کرنے میں اتنی محنت کیوں کر رہے ہیں؟ تو Edward N. Trifonov خود ہی اس بارے میں کہتے ہیں کہ ہم اس لیے حیات کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم حیات کی تشکیل اور ترمیم کے قابل ہوجائیں یا یہ جان سکیں کہ حیات از خود کس طرح وجود میں آئی (۲۱)۔لیکن Jach W. Szostak کا خیال اس سے یکسر مختلف ہے ان کا کہنا ہے کہ حیات کی تعریف بیان کرنے کی کوششوں سے سائنسی بنیادوں پر حیات کی اصل کو نہیں سمجھا جاسکتا (۲۲)۔ حیات سے متعلق اتنی زیادہ تعریفوں کا ہونا اور پھر ان میں اس قدر تنوع اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حیات کو الفاظ میں بیان کرنا انتہائی دشوار عمل ہے۔ سائنسدان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اب تک حیات کی کوئی ایک ایسی تعریف نہیں پیش کرسکے جو تمام ذی حیات کے لیے استعمال کی جاسکے۔

زمین پر حیات کا آغاز

اب تک کی سائنسی تحقیقات کے مطابق فی الوقت صرف زمین پر ہی حیات موجود ہے۔ جبکہ ایک اندازے کے مطابق کائنات کی عمر تقریباً 15 ارب سال ہے (۲۳) اور زمین کی پیدائش اب سے تقریباً 4 ارب 50 کروڑ سال قبل ہوئی (۲۴)۔ ابتدا میں زمین انتہائی گرم اور پگھلی ہوئی حالت میں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمین کی سطح ٹھنڈی ہوتی چلی گئی۔ پھر زمین پر موجود آبی بخارات کے ٹھنڈا ہوکر مائع کی شکل اختیار کر لینے سے سمندر اور جھیلیں بن گئیں۔ یوں رفتہ رفتہ زمین کا درجہ حرارت بھی کم ہوتا گیا اور بالآخر زمین کا ماحول حیات کے لیے سازگار ہوگیا۔

مغربی آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ سے ملنے والے شواہد کے مطابق زمین پر زندگی کا آغاز 3 ارب 50 کروڑ سال پہلے ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ زمین پر زندگی کا وجود اس سے زیادہ قدیم ہو (۲۵)۔ کائنات میں اب تک زمین کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ دریافت نہیں ہوسکی ہے جہاں زندگی موجود ہو۔ کیا زندگی کا وجود صرف زمین کا ہی خاصہ ہے یا ہمارے نظام شمسی سے ماوریٰ کہیں اور بھی زندگی موجود ہے؟ سائنسدان اس حوالے سے کافی پر امید نظر آتے ہیں۔ اسی لئے وہ زندگی کی تلاش میں ہمہ تن گوش ہیں۔ ایک حالیہ تحقیق کے مطابق ہمارے نظام شمسی میں مریخ اور مشتری کا چاند یورپا (Europa) وہ مقامات ہیں جہاں حیات کی موجودگی یا پھر اب تک حیات کے ناپید ہوجانے کے بارے میں گمان کیا جاسکتا ہے (۲۶)۔ اسی طرح ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگر وہ حالات جن کے تحت زمین پر زندگی کا آغاز ہوا وہ تمام کائنات میں یکساں ہی تھے تو

یہ بات یقینی ہے کہ زمین کے علاوہ کہیں اور بھی حیات موجود ہوگی (۲۷)۔تاہم، حیات اپنی اصل میں اس قدر پیچیدہ ہے کہ کسی اور سیارے میں زندگی کا وجود تلاش کرنا تو درکنار زمین پر اس کی موجودگی کے باوجود اس کا ظہور پزیر ہو جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔جیسے کہ رولنسن (Rollinson) کا کہنا ہے کہ حیات کا ظہور پزیر ہونا بعید از امکان نظر آتا ہے اگر چہ حیات وجود میں آچکی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ حیات صرف اسی سیارے (زمین) کا خاصہ ہو۔اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دریافت کریں کہ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا؟(۲۸)

زمین پر حیات کا نزول

زمین پر زندگی کے حوالے سے ایک خیال یہ بھی ہے کہ زمین پر حیات کی آمد زمین کے باہر کہیں سے ہوئی ہے۔اس بارے میں سب سے پہلے 1865ء میں رچٹر نامی ایک سائنسدان نے پہلی بار یہ نظریہ پیش کیا کہ حیات ابدی چیز ہے اور یہ نہایت چھوٹے چھوٹے جرثوموں (یا کوسموزون) کی صورت میں ایک سیارے سے دوسرے سیارے پر منتقل ہوتی رہتی ہے، جب یہ جرثومے کسی ایسی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں موافق حالات موجود ہوتے ہیں تو ان کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگتی ہے اور پھر ان سے ہی بڑے بڑے جاندار وجود میں آتے ہیں (۲۹)۔انیسویں صدی کے آخر میں اس نظریے نے اس وقت بہت اہمیت حاصل کر لی جب ایک کیمیا دان S. A. Arrhenius نے خیال ظاہر کیا کہ زمین پر زندگی کا ظہور Panspermia سے ہوا ہے۔خردنامیے (micro-organisms) یا بیج (spores) شعاع ریزی کے دباؤ کے باعث خلاء کے ذریعے ایک سیارے سے دوسرے سیارے یا ایک نظام شمسی سے دوسرے نظام شمسی پر چلے جاتے ہیں (۳۰)۔

ماضی میں رچٹر اور آرہینس کے یہ نظریات کافی مقبول ہوئے اور کچھ حلقوں سے ان پر تنقید بھی کی گئی۔ان کے مذکورہ نظریات میں خامی یہ تھی کہ یہاں حیات کو ابدی بیان کیا گیا تھا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کائنات ابدی نہیں ہے تو حیات ابدی کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر حیات کو ابدی مان لیا جائے تو حیات کے یہ جرثومے یقیناً زمین پر زندہ حالت میں آئے ہوں گے۔لیکن ان ننھے جرثوموں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ خلائے بسیط کی سخت سردی اور سورج سے آنے والی بالائے بنفشی شعاعوں کے ضرر سے محفوظ زندہ سلامت زمین پر آجائیں اور یہاں حیات کا آغاز کر سکیں (۳۱)۔دوسری طرف ان کا یہ کہنا ہے کہ زمین پر حیات کی آمد کہیں اور سے ہوئی ہے۔اگر ایسا ہی ہے تو وہاں حیات کہاں سے آئی تھی؟(۳۲) یہ سوال ماہرین کے لیے تحقیق کی اور نئی راہیں کھول دیتا ہے کہ حیات کی اصل کیا ہے اور کہاں ہے؟ سالہا سال کی تحقیق و جستجو کا یہ عمل آج بھی جاری ہے اور ماہرین حیاتیات حیات کی اصل جاننے میں مصروف عمل ہیں۔جب کہ یہ سوال کہ حیات کا مقصد کیا ہے؟ اب تک سائنسدانوں کی توجہ حاصل نہیں کر سکا ہے۔

اسلامی تعلیمات اور تصور حیات

سائنس سے ہٹ کر اگر قرآن پاک کی روشنی میں حیات کو جاننے کی کوشش کی جائے تو وہاں حیات ایک بالکل مختلف

انداز میں سامنے آتی ہے۔قرآن پاک کی بعض آیات میں حی، حیوۃ اوران جیسے مختلف الفاظ موجود ہیں۔ ان آیات سے زندگی کے بارے میں کچھ ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کا سائنسی دنیا میں یا توکوئی تصور ہی موجود نہیں ہے یا پھر سائنسی نظریات ان سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ جیسے اسلامی تعلیمات کے مطابق حیات روح اور جسم کے ملاپ کا نام ہے۔جبکہ روح کا وجود سائنس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کیا ہے؟ اور وہ جسم میں کیسے آتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " قل الروح من امر ربی" (۳۳) ترجمہ: کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ" (۳۴) ترجمہ: اور وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہی ہوجاتا ہے۔یعنی صرف رب العالمین کا حکم ہوتا ہے اور وہ کام ہوجاتا ہے خواہ وہ عقل سے ماوریٰ کوئی کتنا ہی پیچیدہ عمل کیوں نہ ہو۔ ایسا ہی ایک تجربہ اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت کروایا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

ترجمہ: اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، جناب باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہوجائے گی فرمایا چار پرندوں کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے (۳۵)۔

مذکورہ آیات سے حیات کی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حیات از خود کوئی شے نہیں ہے بلکہ اس خدائے بزرگ و برتر کا حکم ہے جو ازل سے موجود ہے۔

بے جان کو حیات عطا کرنا

قرآن پاک میں بے جان سے جاندار کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے (۳۶)۔

یہ حیات جاندار کو کس طرح عطا کی جاتی ہے، اس کے بارے میں فرمایا: وہی ہے جو جلاتا ہے (حیات عطا کرتا ہے) اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (۳۷)۔

مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ سے نکالنے کی مفسرین کرام نے مختلف مثالیں بیان کی ہیں۔جیسے یہ کہنا کہ انسان کو مٹی سے بنایا۔ وہ مٹی محض بے جان ہے۔ دیکھنے سننے کی صلاحیت سے محروم، عقل وفہم سے یکسر عاری، ایسی مٹی سے (ذی حیات) انسان بنا دیا (۳۸)۔ زندہ کو مردہ سے نکالنے کی کچھ اور بھی مثالیں ہیں جن کا شمار حیاتیاتی عجائب میں ہوتا ہے۔جیسے مکڑیوں اور تتلیوں کی کچھ اقسام انڈے دینے سے چند سیکنڈ قبل ہی مرجاتی ہیں (۳۹)۔ایک مثال سانپ نما بام مچھلی کی بھی ہے۔ یہ مچھلی خلیج میکسیکو میں طویل سفر کر کے انڈے دینے کی جگہ تک پہنچتی ہے اور بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی مرجاتی ہے۔گویا

وہ بچے مردہ سے نکلے ہیں(۴۰)۔

جہاں تک مردہ کو زندہ سے نکالنے کا معاملہ ہے تو اس بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت زندہ انسانوں اور حیوانات میں سے فضلات خارج کر رہا ہے جن کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔وہ ہر لحہ بے جان مادے کے اندر زندگی کی روح پھونک کر بے شمار جیتے جاگتے حیوانات، نباتات اور انسان وجود میں لا رہا ہے، حالانکہ بجائے خود ان مادوں میں جن سے ان زندہ ہستیوں کے جسم مرکب ہوتے ہیں، قطعاً کوئی زندگی نہیں ہوتی (۴۱)۔

انسانی حیات

قرآن پاک کا موضوع انسان ہے ۔اسی لیے قرآن پاک میں حیات کا تصور عموماً انسان کے ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ سائنس کے برعکس قرآن پاک میں انسان کی دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ حیات کا تذکرہ موجود ہے ۔ جیسے کہ درج ذیل آیات ہیں:

"تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ **تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارڈالے گا، پھر زندہ کرے گا**، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" (۴۲)

"وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے **ہمیں دو بار مارا اور دو بار ہی جلایا**۔اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے۔" (۴۳)

ان آیات سے دو زندگیوں کا تصور سامنے آتا ہے۔یعنی حیات اور بعد از موت پھر حیات۔دوبارہ زندگی ملنے کا تصوّر کرنا مذہب سے وابستہ افراد کے لیے تو کچھ مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا خالق مختار کل کی حیثیت رکھتا ہے۔لیکن مادیت پرستی کے زعم میں مبتلا حضرات کے لیے دوسری زندگی کا تصور باعث تعجب ہے۔ ان کے اسی تعجب کا اظہار اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح فرمایا ہے:

ترجمہ: انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کرکے نکالا جاؤں گا۔کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا(۴۴)۔

قرآن پاک دو زندگیوں کا بالکل واضح تصوّر پیش کرتا ہے، جبکہ کفار کو دوسری حیات پر تعجب تھا۔قرآن کی رو سے دوسری زندگی کچھ تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ اتنی ہی یقینی ہے جتنی انسان کی پہلی زندگی ہے۔آخرت کی زندگی کا ہونا اتنا حیران کن نہیں ہے جتنا اس کا انکار کرنا ہے۔ اسی بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں:

شروع (پہلی) پیدائش کا قائل اور دوسری پیدائش کا منکر؟ جب کچھ نہ تھا تب تو اللہ تعالیٰ اسے کچھ کر دینے پر قادر تھا اور اب جب کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا، کیا اللہ قادر نہیں کہ اسے پھر سے پیدا کر دے؟ پس ابتدائے آفرینش دلیل ہے دوبارہ کی پیدائش پر۔جس نے ابتدا کی وہی اعادہ کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے ہمیشہ آسان ہوا کرتا ہے(۴۵)۔

ترجمہ: یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت (حقیر) پونجی ہے(۴۶)۔

مذکورہ آیات سے انسانی حیات کا یہ تصور سامنے آتا ہے کہ انسانی حیات اللہ کے حکم سے وجود میں آئی ہے اور ایک حیات کے بعد سوبارہ حیات سے مزین کیا جائے گا۔ یہاں پہلی زندگی کو حَیوۃالدُّنیا اور دوسری کو الاخِرۃ کا نام دیا گیا ہے۔قرآن پاک کی رو سے یہ دوسری زندگی ایسے ہی یقینی اور اٹل ہے جیسے پہلی زندگی تھی،اور انسان اس پہلی زندگی کا بخوبی مشاہدہ کر چکا ہے۔

زندگی وموت کا عام مشاہدہ

دنیاوی زندگی کی مثال تو انسان کے سامنے ہے اور اس سے انکار کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔لیکن آخرت کی زندگی کا ادراک انسان اپنے محسوسات اور عقل سے نہیں کرسکتا جب تک وحی کی روشنی اس کے پاس نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم دور میں کفار اور جدید دور میں مادہ پرست اخروی زندگی کو تسلیم نہیں کرتے۔چناچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کی نیند کو موت سے تعبیر کر کے موت وحیات کے اس عمل کو انسان کے لیے ایک عام مشاہدہ بنادیا۔تاکہ انسان بغیر کسی تعصب کے اپنے عقل وشعور سے کام لیتے ہوئے آخرت کی زندگی کی حقیقت جان سکے۔انسان کی نیند کو موت سے تشبیہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ترجمہ: اور وہ ایسا ہے کہ رات کو تمہاری روح کو (ایک گونہ) قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلائے گا جو تم کیا کرتے تھے(۴۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

> ترجمہ: اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں(۴۸)۔

ان آیات میں موت کے لیے "توفّی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔اس کے حقیقی معنیٰ کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے ہیں(۴۹)۔توفّی کی دو قسمیں ہیں ایک ہمیشہ کے لیے روح کو اپنے قبضے میں کرنا اور دوسرا عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے پہلی صورت میں اس کے معنیٰ موت ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ نیند کے معنیٰ میں ہوگا(۵۰)۔جبکہ نیند کی حالت میں روح قبض کرنے سے مراد احساس وشعور،فہم وادراک اور اختیار وارادہ کی قوتوں کو معطل کر دینا ہے(۵۱)۔یعنی اللہ تعالیٰ نفسوں (انسانوں) کو ان کی موت کے وقت مارڈالتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی انہیں نیند کے وقت فوت کرلیتا ہے (یعنی سلادیتا ہے) موت والے نفس کو تو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسرے کو مقررہ وقت پورا کرنے کے لیے پھر بھیج دیتا ہے(۵۲)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،مردوں کی روحیں اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور زندوں کی روحیں واپس بھیج

دیتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی (۵۳)۔ نیند اور بیداری کی یہ حالت اسی طرح جاری رہتی ہے یہاں تک کہ زندگی کے آخری لمحات آجاتے ہیں (۵۴)۔

اس طرح نیند اور بیداری کی حالت کے ذریعے انسان اپنی زندگی میں بار ہا جینے اور مرنے کا یہ عام مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ جبکہ سائنس کے پاس اس بات کا اب تک کوئی حتمی جواب نہیں ہے کہ انسان کیوں سوجاتے ہیں؟ (۵۵) قرآن کی رو سے انسان کی نیند اسے آرام وسکون پہنچانے کے ساتھ ساتھ مسلسل موت کی تنبیہ بھی کررہی ہوتی ہے۔ انسان نیند کے وقت موت کے آستانے پر ہوتا ہے، یہ اس کے لیے ایک درس عبرت ہے کہ اگر وہ اس میں غور وفکر کرے تو اس کی بیداری کے لیے کافی ہے (۵۶)۔ تاہم، مؤمن کے لیے نیند کے بعد بیداری اسے خالق کی یاد دہانی کرواتی رہتی ہے جبکہ منکرین کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہاں موت کے بعد کی بیداری کو بھی نیند ہی سے بیداری سمجھا جارہا ہوگا، جب حقیقی موت کے بعد روز قیامت اسے جگایا جائے گا تو وہ اپنی اس موت کو نیند ہی سمجھے گا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صور پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔ کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھادیا (۵۷)۔

طبی دنیا میں بھی بعض اوقات ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جنہیں ڈاکٹر موڈی نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے ایسے تمام واقعات اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے والے مریضوں کے بیانات اپنی کتاب "Life After Life" میں درج کئے ہیں۔ ان میں تین طرح کے افراد شامل ہیں۔

الف۔ وہ حضرات جو ڈاکٹروں کے مطابق طبی طور پر مرچکے تھے، ان کا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہوجانا۔

ب۔ ایسے افراد جو کسی حادثے کا شکار، یا شدید بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کے بہت قریب تھے۔

ج۔ وہ لوگ جنہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کے تجربہ سے، اس وقت موجود، لوگوں کو آگاہ کیا تھا اور پھر بعد میں ان لوگوں نے ڈاکٹر موڈی کو اس سے آگاہ کیا (۵۸)۔

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں 1972ء تک میں نے کافی واقعات کا ریکارڈ تیار کرلیا تھا۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ مرکر زندہ ہونے والے یہ افراد اگرچہ کافی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے، جیسے کہ ان کی علمی قابلیت، مذہب اور خاندانی طبقات میں فرق وغیرہ، لیکن اپنی موت کے اس تجربے کو جس طرح انہوں نے بیان کیا تھا اس میں حیران کن حد تک مماثلت تھی (۵۹)۔ ابتدا میں ڈاکٹر موڈی کی اس تحقیق پر کچھ سائنسدانوں نے یہ اعتراض کیا کہ متعلقہ اشخاص کی زندگی کا پس منظر عیسائیت سے اثر پزیر تھا۔ پھر جب کارلس اوسس نے ویت نام اور ہندوستان میں کی گئی تحقیقات سے بھی یہی نتائج اخذ کئے تب انہیں معتبر سائنسی مطبوعات میں شائع کردیا گیا (۶۰)۔

بہرحال، قطع نظر اس سے کہ ڈاکٹر موڈی کی یہ تحقیقات سائنسی حلقوں میں کس حد تک تسلیم شدہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ

قرآن حیات کا جو مفہوم پیش کرتا ہے وہ سائنسی تصور حیات سے کہیں بڑھ کر ہے۔سائنس اپنی تمام تر جدو جہد کے باوجود اب تک حیات کا صحیح تصور پیش نہیں کرسکی ہے۔ اس کی وجہ ابوالاعلیٰ مودودی یہ بیان کرتے ہیں کہ علم الحیات کے جس مشکل ترین مسئلہ میں سائنس کے علماء الجھ رہے ہیں، وہ دراصل یہ سوال ہے کہ زندگی کا مبدا کیا ہے؟ قرآن اس کا جواب دیتا ہے کہ زندگی کا مبدا خدا کا حکم (امر رب) ہے۔وہ صرف خدا کا حکم ہی ہے جو بے جان مادے میں آثار حیات پیدا کردیتا ہے۔لیکن مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے دور سے موجودہ سائنسی علم جن لوگوں کے ہاتھوں نشوونما پا تا رہا ہے، ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ اس کارخانہ ہستی میں کسی مافوق الفطرت ذات کی کارفرمائی وکاریگری ماننے اورمحسوس کرنے سے جس طرح بھی بن پڑے، پہلو بچائیں۔ ان کی خواہش یہ رہی ہے کہ اس کارگاہِ فطرت کے اندر ہی انہیں اس کی کارفرما طاقت کا بھی سراغ مل جائے۔اسی بنیادی غلطی نے ان کے لیے وہ مشکل سوالات پیدا کردیئے ہیں جنہیں حل کرنے کے لیے ان کو قیاس آرائیوں سے کام لینا پڑا۔(۶۱)

خلاصہ بحث

قرآن پاک حیات کا ایک جامع تصور پیش کرتا ہے، یہاں زندگی کا وجود صرف خدائی حکم کا محتاج ہے۔حیات اور موت کا کامل اختیار صرف اور صرف اللہ پاک کو حاصل ہے وہ جب چاہے صحت مند وتوانا انسان کو موت سے ہمکنار کردے اور جب تک چاہے کمزور ولاغر یا قریب المرگ شخص کو حیات عطا فرمادے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مریض کو اس کے معالج لاعلاج اور قریب المرگ قرار دے دیتے ہیں لیکن وہ ایک طویل عرصے تک زندہ رہتا ہے۔ زندگی عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس بات کے پابند نہیں ہیں کہ وہ زندگی سے ہی زندگی پیدا کریں بلکہ اگر اللہ چاہے تو مٹی کے بے جان پرندوں کو حیات عطا فرمادے (۶۲)۔ جبکہ سائنس کا دائرہ کار محدود ہونے کی وجہ سے وہاں اتفاقات، امکانات اور ارتقا پر تو بحث کی جاتی ہے لیکن خالق، مخلوق اور تخلیق اس کی لغت میں موجود نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سائنس اب تک حیات کی اصل تک نہیں پہنچ سکی۔علاوہ ازیں، سائنس کا دائرہ کار کیونکہ صرف مادی دنیا سے ہے اس لیے فرشتے اور جنات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔کیا کبھی سائنس انہیں بھی ذی حیات تصور کر سکے گی؟اور اگر ایسا ہوا تو سائنس کو حیات کی تعریف دوبارہ مرتب کرنا پڑے گی۔

اسی طرح قرآن پاک میں انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ ایک دوسری زندگی کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ پھر نینداور بیداری کے روزانہ کے معمول کو موت وحیات سے تشبیہ دیتے ہوئے انسان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اس دنیاوی زندگی میں مگن ہوکر آخرت کی زندگی سے غافل نہ ہو۔کیونکہ انسان کی دوسری زندگی کا انحصار اسی پہلی زندگی پر ہے۔اگر اپنی پہلی زندگی میں انسان اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے تو وہ اپنی دوسری زندگی (آخرت) میں بھی کامیاب ہوجائے گا۔سائنسی تصور حیات انسان کی کسی دوسری زندگی کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ یہاں انسان اپنی پہلی زندگی میں بھی ایک ترقی یافتہ حیوان کی صورت میں سامنے آتا ہے، جو قوانین وضوابط سے آزاد ہے۔ یہی وہ تصور ہے جس

نے کبھی نازی ازم، کبھی فاش ازم اور کبھی ڈارونیت کے نام پر انسانی حیات کے تقدس کو بری طرح پامال کیا۔ کبھی انہیں ادنی درجے کا انسان (۱۳) کہہ کر اور کبھی بندر سے انسان بننے کی درمیانی حالت (۱۴) قرار دے دیا گیا۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کے تحت انسان کی حیات اللہ تعالیٰ کی بے مثل تخلیق ہے اور جب تک حیات کی اس اہمیت کا ادراک نہیں ہوگا تب تک انسان اپنے شوق اور تسکین کی خاطر حیات کو نقصان پہنچاتا رہے گا، خواہ یہ اس کی اپنی ہو یا کسی دوسرے جاندار کی ہو۔ اور وہ اُس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا جس کے لیے اسے دنیا میں بھیجا گیا ہے (۱۵)۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی حیات پر کھلے دماغ سے غور و فکر کرے اور جس ذریعے سے اسے حیات ملی ہے اسے پہچان کر اپنی حیات اس خالق حیات کے وضع کردہ اصول و ضوابط کے تحت بسر کرے تاکہ دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں میں کامیاب ہو سکے۔

مراجع و حواشی

۱۔ Edward N. Trifonov, (2011), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, Vol. 29, Issue Number 2, p. 259
۲۔ "The New Encyclopedia Britannica" (Macropedia), (1990), Vol.22, Chicago, p. 985
۳۔ Sentman, E. E., (1973). "American Educator; A Comprehensive Encyclopedia to Meet the Needs of Home, School and Library", Lake Bluff, IL: United Educators, Vol. 12, p. 159
۴۔ Collier's Encyclopedia, Vol 14, p. 620
۵۔ "The New Encyclopedia Britannica" (Macropedia), Vol. 22, p. 985
۶۔ Ibid　۷۔ Ibid　۸۔ Ibid　۹۔ Ibid
۱۰۔ Ibid　۱۱۔ Ibid　۱۲۔ Ibid, p. 986
۱۳۔ Edward N. Trifonov, (2011), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, p. 262
۱۴۔ Fabrizio Macagno, (2012), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, Vol. 29, Issue Number 4, p.628
۱۵۔ "The Encyclopedia Americana" International Edition, Vol. 17, p. 418
۱۶۔ Collier's Encyclopedia, Vol 14
۱۷۔ Fabrizio Macagno, Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, p. 628
۱۸۔ "The Encyclopedia Americana" International Edition, Vol. 17, p. 418
۱۹۔ Seema Mishra, (2012), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, Vol. 29, Issue Number 4, p. 624
۲۰۔ Edward N. Trifonov, (2012), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, Vol. 29, Issue Number 4, p. 648
۲۱۔ Ibid, p. 649
۲۲۔ Jack, W. Szostak, (2012), Journal of Biomolecular Structure & Dynamics, Vol. 29, Issue Number 4, p. 599

۲۳۔ Space Studies Board, "The Search for Life's Origins", National Academy Press, Wasington, D.C., 1999, p.2 ۲۴۔ Ibid, p.78

۲۵۔ Space Studies Board, "The Search for Life's Origins", p.78

۲۶۔ Lluis Ribas de Pouplana, "The Genetic Code and the Origin of Life", p.1

۲۷۔ Ibid

۲۸۔ Rollinson, Hugh, "Early Earth System", Blackwell Publishing, USA, 2007, p.216

۲۹۔ جارج گیمو، "زمین کی سرگزشت"،مترجم سید علی ناصر زیدی، 1963ء، کلاسک پبلشرز لاہور، پاکستان، ص ۱۳۸

۳۰۔ The New Encyclopedia Britannica (Macropedia), Vol. 22, p. 992

۳۱۔ جارج گیمو،محولہ بالا ۳۲۔ Collier's Encyclopedia, Vol 14 ۳۳۔ القرآن ۸۵:۱۷

۳۴۔ القرآن ۴۷:۳ ۳۵۔ القرآن ۲۶۰:۲ ۳۶۔ القرآن ۱۹:۳۰ ۳۷۔ القرآن ۶۸:۴۰

۳۸۔ شاہ، کرم، پیر محمد، ضیاء القرآن، ج ۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۶۷

۳۹۔ باقی، ہلوک نور، ڈاکٹر، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، مترجم سید محمد فیروز شاہ گیلانی، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۹

۴۰۔ ایضاً ۴۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۳، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴۷۔۲۴۳

۴۲۔ القرآن ۲۸:۲ ۴۳۔ القرآن ۱۱:۴۰ ۴۴۔ القرآن ۱۹:۶۷۔۶۶

۴۵۔ ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷۳

۴۶۔ القرآن ۲۶:۱۳ ۴۷۔ القرآن ۶۰:۶ ۴۸۔ القرآن ۴۲:۳۹

۴۹۔ شاہ، کرم، پیر محمد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۵۶۴ ۵۰۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۷۳

۵۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، محولہ بالا، ج ۴، ص ۳۷۵

۵۲۔ ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفداء، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۷۳ ۵۳۔ ایضاً، ج ۴، ص ۹۷

۵۴۔ شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، مترجم سید صفدر حسین نجفی، ج ۵، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۱۴۱۷ھ، ص ۲۲۷

۵۵۔ http://bbc.co.uk/science/humanbody/sleep/articles/whatissleep.shtml

۵۶۔ شیرازی، ناصر مکارم، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۱۱۳ ۵۷۔ القرآن ۳۶:۵۲۔۵۱

۵۸۔ Moody, Raymond, Life After Life, E-Book, p. 17
(http://selfdefinition.org/afterlife/Raymond-Moody-Life-After-Life.pdf)

۵۹۔ Moody, Raymond, Life After Life, E-Book, p. 16 ۶۰۔ باقی، ہلوک نور، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص ۲۶۰

۶۱۔ چشتی، شہزادالحسن، پروفیسر، انسان کی تخلیق، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۲ ۶۲۔ القرآن ۴۹:۳

۶۳۔ Bergman, J. (1999). Darwinism and the Nazi Race Holocaust. *CEN Technical Journal*, 13(2), pp. 101-111 (retrieved from: creation.com/images/pdfs/tj/j132/j132101-111.pdf)

۶۴۔ Bergman, J. (1993). Ota Benga: THe Story of the Pygmy on Display in a Zoo. *The Creation Research Society Quarterly*, 30(3)
(retrieved from: www.creationresearch.org/crsq/articles/30/otabenga.html)

۶۵۔ القرآن ۵۶:۵۱ (ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔)